قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر۔ ابو سعید

Online Edition

منگل 22 ستمبر 2020ء | 05 صفر 1442 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 224

ارشاد باری تعالیٰ

وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

(البقرۃ: 128)

ترجمہ: اور جب ابرہیم اُس خاص گھر کی بنیادوں کو استوار کر رہا تھا اور اسماعیل بھی (یہ دعا کرتے ہوئے کہ) اے ہمارے ربّ! ہماری طرف سے قبول کر لے۔ یقینا تو ہی بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا، آپ کے رب نے جو حکم آپ کو دیا ہے آپ اسے ضرور پورا کریں۔ انہوں نے فرمایا اور تم بھی میری مدد کرسکو گے؟ عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی مقام پر اللہ کا ایک گھر بناؤں اور آپ نے ایک اور اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے چاروں طرف! کہا کہ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہوگئیں تو اسماعیل یہ پتھر لائے اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے اسے رکھ دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور یہ دونوں یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔ ہمارے رب! ہماری یہ خدمت تو قبول کر بیشک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ فرمایا کہ یہ دونوں تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے۔ ’’اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو بڑا سننے والا بہت جاننے والا ہے‘‘۔

(بخاری کتاب أحادیث الانبیاء باب (یَزِفُّونَ) النَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ)

فرمان خلیفہ وقت

پس ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کے سپرد کیا ہے وہی کام آپ کے ماننے والوں کے سپرد بھی ہے۔ اور ہمیں ہمیشہ اور ہر وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو فکر تھی۔ بار بار تسلی بھرے الفاظ سے تسلی دلانے کے باوجود نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی کوشش میں کمی کی، نہ ہی آپ نے اپنی دعاؤں میں کمی کی، نہ ہی آپ کی فکر میں کمی ہوئی کہ کہیں ان تمام چیزوں میں کمی کی وجہ سے خدائی وعدے ٹل نہ جائیں۔ کہیں کوئی کمزوری خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث نہ بن جائے۔ اور یہ سب کچھ آپؑ نے اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں اور کئی بار پڑھ چکے ہیں اور سن چکے ہیں کہ جنگِ بدر میں خدا تعالیٰ کے تمام تر وعدوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو ہو جاتے تھے۔ دعاؤں اور رقّت کی حالت میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اس قدر جھٹکے لیتا تھا کہ آپ کے کندھے پر پڑی چادر گر گر جاتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار تسلی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم مٹھی بھر ہیں اور کمزور ہیں تو کیا ہوا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی ہے، آج بھی کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کون اس بات کو جان سکتا تھا کہ یقینا خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں اور

بقیہ صفحہ 7 پر

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

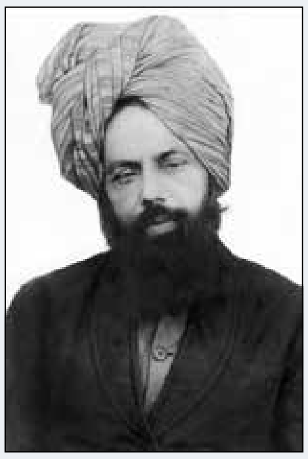

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

’’جب تک انسان صدق و صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا بندہ نہ ہو گا تب تک کوئی درجہ ملنا مشکل ہے۔ جب ابراہیم کی نسبت خدا تعالیٰ نے شہادت دی کہ وَاِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم: 38) کہ ابراہیم وہ شخص ہے جس نے اپنی بات کو پورا کیا تو اس طرح سے اپنے دل کو غیر سے پاک کرنا اور محبتِ الٰہی سے بھرنا، خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلنا اور جیسے ظلّ اصل کا تابع ہوتا ہے ویسے ہی تابع ہونا کہ اس کی اور خدا کی مرضی ایک ہو۔ کوئی فرق نہ ہو۔ یہ سب باتیں دعا سے حاصل ہوتی ہیں‘‘۔

(البدر جلد 2 نمبر 43 مورخہ 16 نومبر 1903ء صفحہ 334)

پھر آپ فرماتے ہیں:

’’نامرد، بزدل، بے وفا جو خدا تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دغا دینے والا ہے وہ کس کام کا ہے۔ اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔ ساری قیمت اور شرف وفا سے ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو جو شرف اور درجہ ملا وہ کس بناء پر ملا؟ قرآنِ شریف نے فیصلہ کر دیا ہے اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم: 38) ابراہیم وہ ہے جس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی۔ آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا کہ وہ ان کافروں کو کہہ دیتے کہ تمہارے ٹھاکروں کی پوجا کرتا ہوں‘‘۔

(الحکم جلد 8 نمبر 4 مورخہ 31 جنوری 1904ء صفحہ 2, 1)

اس شمارہ میں

- ہوا زمانہ کی جب بھی کبھی بگڑتی ہے (منظوم)
- کیا روح سے رابطہ ممکن ہے؟
- تربیت اولاد
- حاصل مطالعہ

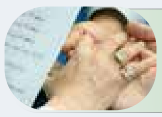

دربارِ خلافت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

.... اللہ تعالیٰ کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو کر ملتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ اعلان کرایا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: 32)۔ انہوں نے فرمایا کہ میری پیروی کرو تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ملے گی۔

توحید کی حقیقت اور ایک مؤمن کا کیا معیار ہونا چاہئے، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ ’’جو لوگ حکّام کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور ان سے انعام یا خطاب پاتے ہیں۔ اُن کے دل میں اُن کی عظمت خدا کی سی عظمت داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اُن کے پرستار ہو جاتے ہیں اور یہی ایک امر ہے جو توحید کا استیصال کرتا ہے‘‘ (توحید کے معیار کو ختم کر دیتا ہے۔) ’’اور انسان کو اس کے اصل مرکز سے ہٹا کر دُور پھینک دیتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اسباب اور توحید میں تناقض نہ ہونے پاوے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر رہے اور مآل کار توحید پر جا ٹھہرے۔‘‘ (آخر کار جو نتیجہ ہے، جو سارا انحصار ہے وہ توحید پر جا کے ٹھہرے۔) ’’وہ انسان کو‘‘ (یعنی انبیاء انسان کو) ’’یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ ساری عزّتیں، سارے آرام اور حاجات برآری کا متکفّل خدا ہی ہے۔ پس اگر اس کے مقابل میں کسی اور کو بھی قائم کیا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ دو ضدّوں کے تقابل سے ایک ہلاک ہو جاتی ہے۔‘‘ (جب دو ضدوں کا مقابلہ ہو گا تو لازماً ایک ہلاک ہو گی۔ دو دشمنوں کا مقابلہ ہو گا، دو فریقین کا مقابلہ ہو گا تو ایک کو بہر حال ہار ماننی پڑے گی۔)

فرمایا کہ ’’اس لئے مقدم ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید ہو۔ رعایت اسباب کی جاوے۔ اسباب کو خدا نہ بنایا جاوے۔‘‘ (اسباب کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ جو ذریعے اللہ تعالیٰ نے مہیا کئے ہیں، وسائل مہیا کئے ہیں ان کو استعمال کرو لیکن ان کو خدا نہ بناؤ۔ توحید کو مقدم رکھو۔) ’’اسی توحید سے ایک محبت خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ محسنِ حقیقی وہی ہے۔ ذرّہ ذرّہ اُسی سے ہے۔ کوئی دوسرا درمیان نہیں آتا۔ جب انسان اس پاک حالت کو حاصل کرے تو وہ موحد کہلاتا ہے۔‘‘ (جب یہ حالت ہو جائے گی، مکمل انحصار خدا تعالیٰ پر ہو جائے گا) کوئی دوسرا درمیان میں نہیں ہو گا تبھی موحد کہلاؤ گے۔) ’’غرض ایک حالت توحید کی یہ ہے کہ انسان پتھروں یا انسانوں یا اور کسی چیز کو خدا نہ بنائے بلکہ ان کو خدا بنانے سے بیزاری اور نفرت ظاہر کرے اور دوسری حالت یہ ہے کہ رعایت اسباب سے نہ گزرے۔‘‘ (یعنی اسباب جو ہیں انہی پر زیادہ زیادہ انحصار نہ کرے۔ حد سے زیادہ نہ بڑھے۔ صرف انہی پر چارہ نہ کرے، اپنا مدار نہ رکھے۔

فرمایا کہ ’’تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے نفس اور وجود کے اغراض کو بھی درمیان سے اٹھا دیا جاوے‘‘ (توحید قائم کرنے کے لئے تیسری چیز یہ ہے کہ اپنے نفس کو بھی مٹا دو۔ اس کی جو غرضیں ہیں، جو ذاتی نفسانی اغراض ہیں ان کو ختم کر دو۔) ’’اور اس کی نفی کی جاوے۔ بسا اوقات انسان کے زیرِ نظر اپنی خوبی اور طاقت بھی ہوتی ہے‘‘ (اکثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی خوبی اور طاقت بھی ہوتی ہے اور بعض کاموں میں اپنی خوبی اپنی طاقت پر انحصار کر رہا ہوتا ہے۔) ’’کہ فلاں نیکی مَیں نے اپنی طاقت سے کی ہے۔ انسان اپنی طاقت پر ایسا بھروسہ کرتا ہے کہ ہر کام کو اپنی قوت سے منسوب کرتا ہے۔ انسان موحد تب ہوتا ہے کہ جب اپنی طاقتوں کی بھی نفی کر دے۔

لیکن اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان جیسا کہ تجربہ دلالت کرتا ہے‘‘ (تجربے سے یہ ثابت ہے کہ) ’’... عموماً کوئی نہ کوئی حصہ گناہ کا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بعض موٹے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض اوسط درجہ کے گناہوں میں اور بعض باریک در باریک قسم کے گناہوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جیسے بخل، ریا کاری یا اور اسی قسم کے گناہ کے حصوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جب تک ان سے رہائی نہ ملے انسان اپنے گمشدہ انوار کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ ان کی بجا آوری ہر ایک کو میسّر نہیں ہے۔ مثلاً حج۔ یہ اس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو۔ پھر راستہ میں امن ہو۔ پیچھے جو متعلقین ہیں ان کے گزارہ کا بھی معقول انتظام ہو‘‘ (یہ نہیں کہ گھر والوں کو بھوکا چھوڑ جاؤ کہ ہم حج پر جا رہے ہیں) ’’اور اسی قسم کی ضروری شرائط پوری ہوں تو حج کرسکتا ہے۔ ایسا ہی زکوٰۃ ہے۔ یہ وہی دے سکتا ہے جو صاحب نصاب ہو۔ ایسا ہی نماز میں بھی تغیرات ہو جاتے ہیں۔‘‘ (سفر میں قصر ہو جاتی ہے یا بعض دوسرے حالات میں جمع ہو جاتی ہے۔) ’’لیکن ایک بات ہے جس میں کوئی تغیر نہیں‘‘ (کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوسکتی) ’’وہ ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اصل یہی بات ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے مکمّلات ہیں۔ توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجا آوری نہ ہو۔‘‘ (جس طرح اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اس طرح عبادت کرو گے تبھی توحید کی تکمیل ہو گی۔

فرمایا کہ ’’اس کے یہی معنے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والا اس وقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر عملی پہلو سے بھی وہ ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ جب اس کی یہ حالت ہو اور واقعی طور پر اس کا ایمانی اور عملی رنگ اس اقرار کو ظاہر کرنے والا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور اس اقرار میں جھوٹا نہیں۔ ساری مادی چیزیں جل گئی ہیں اور ایک فنا اُن پر اس کے ایمان میں آ گئی ہے تب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ منہ سے نکالتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو اس کا دوسرا جزو ہے وہ نمونہ کے لیے ہے۔ کیونکہ نمونہ اور نظیر سے ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔‘‘ (مثالیں قائم ہوں تو سب باتیں آسان ہو جاتی ہیں اور مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کر کے، اپنا اسوہ حسنہ قائم کر کے ہمیں دے دی۔)

فرمایا کہ ’’انبیاء علیہم السّلام نمونوں کے لئے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے۔‘‘ (تمام کمالات جتنے بھی ہیں آپ میں جمع ہو گئے اور ان کے نمونوں کی مثالیں بھی آپ نے قائم کر دیں۔) ’’کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 58۔ 59۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

(خطبہ جمعہ 16/ مئی 2014ء)

ہوا زمانہ کی جب بھی کبھی بگڑتی ہے

ہوا زمانہ کی جب بھی کبھی بگڑتی ہے
مری نگاہ تو بس جا کے تجھ پہ پڑتی ہے

بدل کے بھیس معالج کا خود وہ آتے ہیں
زمانہ کی جو طبیعت کبھی بگڑتی ہے

زبان میری تو رہتی ہے ان کے آگے گنگ
نگاہ میری نگاہوں سے ان کی لڑتی ہے

الجھ الجھ کے میں گرتا ہوں دامن تر سے
مری امیدوں کی بستی یونہی اجڑتی ہے

منٹ منٹ پہ مرا امتحان لیتے ہیں
قدم قدم پہ مصیبت یہ آن پڑتی ہے

(کلام محمود صفحہ 196۔ اخبار الفضل جلد 2 ۔ 6 جولائی 1948ء۔ لاہور پاکستان)

تبرکات

کیا روح سے رابطہ ممکن ہے؟

از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

جسم کے مرنے کے بعد روح کہاں رہتی ہے؟

مندرجہ بالا عنوان کے تحت موقر اخبار ’’لاہور‘‘ کی اشاعت مورخہ 24 اگست 1959ء میں ایک صاحب خواجہ حبیب اللہ صاحب فاروقی کا ایک دلچسپ مقالہ شائع ہوا ہے۔ ہر چند کہ یہ خاکسار آج کل بعض پریشانیوں کی وجہ سے وہ یکسوئی اور فرصت نہیں رکھتا جو اس قسم کے موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن فاروقی صاحب کا مقالہ حقیقتاً دلچسپ ہے۔ اور پھر محترم ایڈیٹر صاحب ’’لاہور‘‘ نے اپنے قارئین کو اس مضمون پر قلم اٹھانے کی عام دعوت بھی دی ہے۔ اس لئے چند مختصر سے فقرات کے ذریعہ ذیل میں اپنے خیالات اور معلومات کا اظہار کرتا ہوں۔ وَمَاَ تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ۔

سب سے پہلے تو میں مضمون نگار صاحب کے اس سوال کا دو حرفی جواب دینا چاہتا ہوں جو انہوں نے اپنے مضمون کے عنوان میں کیا ہے۔ یعنی ’’کیا روح سے رابطہ ممکن ہے؟‘‘ اس کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ ’’ہاں ممکن ہے‘‘۔ مگر میرے جواب کی تفصیل فاروقی صاحب کے مضمون کی تفصیل سے غالباً مختلف ہو گی۔ لیکن سب سے پہلے ضروری ہے کہ روح کی پیدائش کے متعلق قرآنی تعلیم کی رو سے روشنی ڈالی جائے کیونکہ اس کے بغیر میرے مضمون کا پس منظر واضح نہیں ہو سکے گا۔ قرآن مجید انسانی پیدائش کی تفصیل اور اس کے مختلف مدارج بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍo ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o (المومنون: 15-13)

یعنی ہم نے انسان کو ابتداءً مرطوب مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر اسے ایک محفوظ قرار گاہ (یعنی رحمِ مادر) میں نطفہ کے طور پر رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک ڈھیلے ڈھالے چپکنے والے لوتھڑے کی صورت دی۔ پھر اس ڈھیلے ڈھالے لوتھڑے کو پیوست بوٹی کی شکل میں منتقل کیا۔ پھر اس بوٹی میں ہڈیاں بنائیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت پوست کا خول چڑھایا اور پھر اس وجود کو ایک نئی مخلوق کی صورت میں بنا کھڑا کیا۔ پس لوگو! دیکھو کہ تمہارا خدا کیسا بابرکت اور کیسا بہترین خالق ہے۔

جسم اور روح کی پیدائش کے مختلف مراحل

اس لطیف آیت میں خداوند عالم نے انسان کے جسم اور اس کی روح دونوں کی پیدائش کو نہایت لطیف رنگ میں اس کے مختلف مدارج کی تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اولاً اس آیت میں جسم کی پیدائش کو مٹی کے خلاصہ سے لے کر نطفہ اور پھر ڈھیلے ڈھالے لوتھڑے اور پھر پیوست بوٹی اور پھر ہڈی اور پھر گوشت پوست کے خول تک درجہ بدرجہ مکمل کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد روح کی پیدائش کا اسی جسم میں سے خَلْقًا اٰخَرَ (یعنی ایک نئی پیدائش) کے الفاظ سے ذکر کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ اَنْشَاْنٰہُ (یعنی بنا کھڑا کیا) کا لفظ لگا کر اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان میں یہ روح ہی ہے جو اسے دوسرے جانداروں سے ممتاز کر کے اور حیوانوں کے زمرہ میں سے نمایاں کر کے علیحدہ صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔

پس اسلام کی تعلیم کے مطابق روح دراصل جسم ہی کا ایک ترقی یافتہ جوہر ہے جو انسانی جسم کی تکمیل کے بعد اس کے اندر سے ایک نئی اور ارفع مخلوق کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور آریہ سماج کی طرح یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ روح ایک بیرونی چیز ہے جو باہر سے آ کر انسانی جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ تو جب روح انسانی جسم ہی کا ایک ترقی یافتہ حصہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ جو اس کے لئے بطور بیج یا باپ کے ہے کبھی بھی کامل طور پر منقطع نہیں ہوسکتا اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرنے اور اس کی روح کے پرواز کر جانے اور اس کے جسم کے بظاہر کلّی طور پر فنا ہو جانے کے بعد بھی اس کے جسم کا ایک نہ نظر آنے والا حصہ جسے گویا ایٹم یا مالیکیول کہہ سکتے ہیں (مَیں سائنس کا عالم نہیں ہوں صرف سمجھانے کی غرض سے عام رنگ میں بیان کر رہا ہوں) محفوظ رہتا ہے۔ اور اس حدیث میں اس حصہ کو عَجَبُ الذَّنَب یعنی ریڑھ کی ہڈی کے اسفل ترین حصہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) چنانچہ اسی وجہ سے مرنے والوں کی قبروں کے ساتھ ان کی روحوں کا کسی نہ کسی رنگ میں رابطہ تسلیم شدہ ہے۔ اور اکثر اولیاء اور صلحاء کا تجربہ ہے کہ جب وہ کسی فوت شدہ بزرگ کی قبر پر جاکر توجہ سے دعا کرتے ہیں تو بعض اوقات کشفی حالت میں صاحب قبر کی روح کے ساتھ ان کی ملاقات ہو جاتی ہے۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ کشف اور خواب بالکل جداگانہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ خواب نیند کی حالت میں آتی ہے اور کشف بیداری کی حالت میں ہوتا ہے۔ جبکہ کشف دیکھنے والے کی آنکھوں پر سے مادی پردے اٹھا کر اسے کوئی غیبی نظارہ دکھایا جاتا ہے۔ اور یہ نظارہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے مادی آنکھوں کے سامنے کوئی سینما کی تصویر پھر جاتی ہے۔

اسلامی اصطلاح کے مطابق قبر کی تشریح

اس جگہ یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی محاورہ میں قبر سے ہمیشہ مٹی کے ڈھیر والی معروف قبر ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ مقام بھی مراد ہوتا ہے کہ جہاں مرنے کے بعد حشر و نشر سے پہلے انسانی روح رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے: ثُمَّ اَمَاتَہ،فَاَقْبَرَہ، (عبس:22)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر انسان پر موت وارد کرتا ہے اور پھر اسے اس کی قبر میں رکھتا ہے

اب ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو یہ مٹی کے ڈھیر والی قبر میسر نہیں آتی کیونکہ کروڑوں انسانوں کے مُردے جلائے جاتے ہیں اور دفن نہیں ہوتے۔ لاکھوں انسان ڈوب کر مرتے ہیں۔ ہزاروں انسانوں کو جنگل کے درندے کھا کر ختم کر دیتے ہیں۔ تو پھر ہر انسان کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسے خدا قبر میں رکھتا ہے؟ یقیناً یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جیسا کہ حدیث میں صراحت آتی ہے۔

قبر سے مراد وہ قیام گاہ لی جائے جہاں مرنے کے بعد اور کامل حساب کتاب سے پہلے انسان کی روح رکھی جاتی ہے۔

چنانچہ انہی معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب النار سے ممتاز کر کے عذابِ قبر کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ جس سے ناواقف یا ظاہر پرست لوگوں نے یہ ظاہری قبر مراد لے کر قبروں کو فراخ بنانا شروع کر دیا۔ تا کہ منکر نکیر نامی فرشتوں کے سامنے بیٹھنے کے لئے مرنے والے کو کافی جگہ میسر آسکے۔ حالانکہ یہاں یہ مٹی والی معروف قبر مراد نہیں بلکہ مرنے کے بعد مرنے والوں کی روح کے رکھے جانے کا مقام مراد ہے۔ یہ وہی مقام ہے جسے دوسری اصطلاح میں قرآن مجید نے برزخ کا نام دیا ہے جو حشر و نشر سے پہلے ایک درمیانی زمانہ کا مقام ہے۔ مرنے والی روحوں کا تعلق دنیا کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ وہ قبر یعنی برزخ کے زمانہ میں رہتی ہیں۔ اس کے بعد یہ تعلق ختم ہو کر کامل طور پر اخروی زندگی شروع ہو جائے گی۔ مَیں شائد باریک مذہبی اصطلاحوں میں جا رہا ہوں مگر دراصل یہ مسائل آپس میں اتنے مربوط ہیں کہ ان کی تاریں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح الجھی ہوئی ہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کرنا بظاہر ممکن ہی نہیں۔

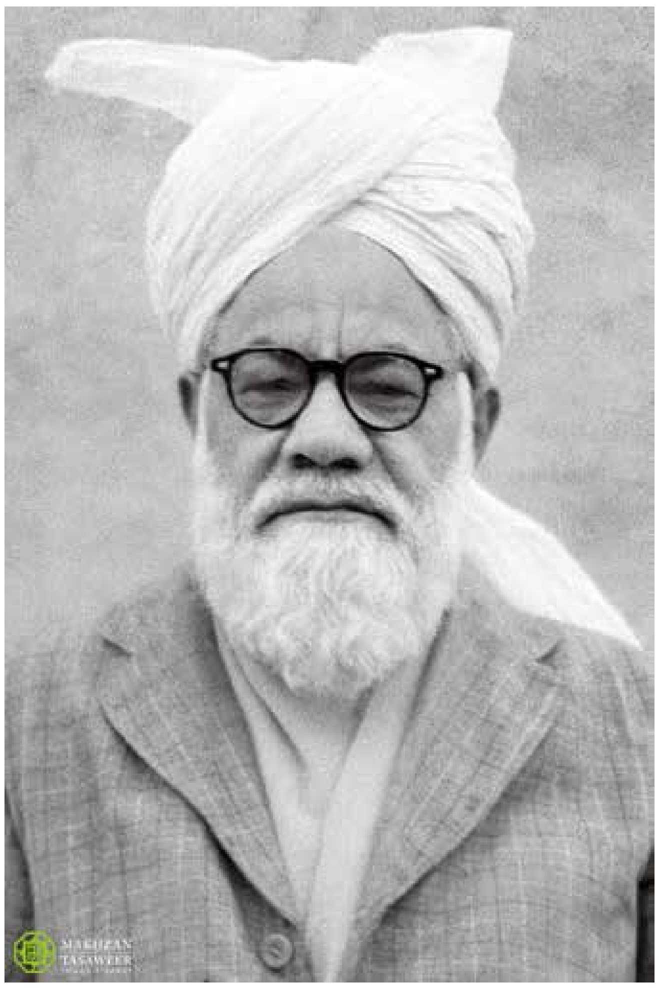

کیا مرنے والے کی روح کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے؟

اب رہا یہ سوال کہ کیا کسی زندہ انسان کی کسی فوت شدہ انسان کی روح کے ساتھ اسی دنیا میں ملاقات ہوسکتی ہے؟ اور دراصل فاروقی صاحب کے سوالوں کا یہی مرکزی نقطہ ہے۔ سو جیسا کہ میں شروع میں بیان کر چکا ہوں اس کے جواب میں میرا کہنا یہ ہے کہ ہاں یہ ملاقات ہوسکتی ہے۔ لیکن میں

اسے فاروقی صاحب کی طرح ایک تماشہ نہیں سمجھتا کہ جب چاہا اور جس نے چاہا کسی فوت شدہ روح کو بلا کر اس کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ کیونکہ یہ نظریہ قرآنی آیات کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ:

وَمِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (المومنون:101)

یعنی مرنے والوں اور اس دنیا میں رہنے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جو حشر نشر کے دن تک یعنی قیامت تک قائم رہے گا۔

یہ ملاقات کس طرح ہوسکتی ہے؟

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں فوت شدہ روحوں کے ساتھ زندہ لوگوں کی ملاقات کس طرح ہوسکتی ہے؟ سو اس کے متعلق بھی قرآن مجید خاموش نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ط قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل:86)

یعنی اے رسولؐ! لوگ تجھ سے روحوں کے متعلق پوچھتے ہیں (کہ ان کا معاملہ کس طرح پر ہے؟) تو ان سے کہہ دے کہ روحوں کا معاملہ خدا کے حکم پر موقوف ہے۔ مگر اے لوگو! تمہیں اس بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔ یعنی تمہاری معلومات کا اکثر حصہ محض تخیل اور قیاس آرائی یا نظر کے دھوکے پر مبنی ہے اور صحیح معلومات بہت کم ہیں۔

اس کا ذریعہ صرف اذن الٰہی ہے

اس آیت سے ظاہر ہے کہ روحوں کے ساتھ ملاقات تو یقیناً ممکن ہے مگر یہ نہیں کہ جس نے چاہا اور جب چاہا کسی مرنے والے کی روح کو بلا کر اس کے ساتھ بات چیت کر لی۔ یہ نظریہ قرآنی تعلیم کے سراسر خلاف ہے جو اس دنیا اور دوسری دنیا کے درمیان ایک برزخ یعنی روک اور روٹ کا قائل ہے اور صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ روحوں کے ساتھ زندوں کا رابطہ صرف اذن الٰہی کے ساتھ ممکن ہے اس کے بغیر ہرگز نہیں۔ دنیا بھر کے انبیاء اور اولیاء کی تاریخ ایسے واقعات سے معمور ہے کہ دعا اور توجہ کرنے پر اذن الٰہی سے ان کی کسی مرنے والے کی روح کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب احد کے میدان میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عبداللہؓ شہید ہو گئے تو ایک کشفی انکشاف کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواں سال مخلص لڑکے جابرؓ سے ازراہ دلداری فرمایا کہ تمہارے والد شہید ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی سے خوش ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ جابرؓ کے والد عبداللہؓ نے عرض کیا۔ خدایا! تیری کسی نعمت کی کمی نہیں مگر یہ تڑپ ضرور ہے کہ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر تیرے رستہ میں جان دوں اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری اس خواہش کو بھی پورا کر دیتے مگر ہم ایک ازلی ابدی عہد کر چکے ہیں جو قرآن کے الفاظ میں یہ ہے کہ: اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔

یعنی مرنے والے اس دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر میں قتل ہونے والے کفار کی لاشوں کے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ کو عالمِ کشف میں ان کی روحیں دکھائی گئیں۔ جنہیں دیکھ کر آپؐ نے جوش کے ساتھ فرمایا کہ ’’ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتے دیکھ لیا کیا تم نے بھی خدا کا وعدہ پورا ہوتے دیکھا؟‘‘

(صحیح بخاری کتاب المغازی)

اسی طرح سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانیؑ اپنے ایک مشہور عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَاللّٰہِ اِنِّی قَدۡ رَأَیۡتُ جَمَالَه، بِعُیُوۡنِ جِسۡمِی قَاعِدًا بِمَکَانِی
وَرَأَیۡتُ فِی رَیۡعَانِ عُمۡرِی وَجۡهَه، ثُمَّ النَّبِیُّ بِیَقۡظَتِی لَا قَانِی

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 593)

یعنی خدا کی قسم! میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو اپنے اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ اپنے مکان کے اندر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے بالکل آغازِ جوانی میں آپؐ کے روئے مبارک کو دیکھا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عین بیداری کی حالت میں مجھے مکرر ملاقات کا شرف بخشا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(میری) بارہا کشفی حالت میں (عیسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی اور ایک ہی خوان میں میرے ساتھ اس نے کھانا کھایا۔

(نور الحق حصہ اول روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 57-56)

اسی قسم کے ہزاروں واقعات اسلام کی تاریخ بلکہ قبل اسلام کے زمانہ میں روحانی لوگوں کے حالاتِ زندگی میں ملتے ہیں۔ مگر آجا کے بات یہی ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب کشفی نظارے ہیں جن میں خدا کے اذن سے نہ کہ ازخود مرنے والوں کی روحوں سے زندہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور یہ خاکسار بھی اس معاملہ میں کسی حد تک صاحبِ تجربہ ہے۔ وَلَا فَخۡرَ۔

روحوں کے بلانے کی مزعومہ حقیقت کیا ہے؟

بالآخر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آج کل جو بعض لوگ اور خصوصاً مغربی ممالک کے لوگ روحوں کے بلانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ سو چونکہ میری آنکھوں کے سامنے ایسا کوئی واقعہ نہیں گزرا اس لئے میں اس قسم کے واقعات کے متعلق بصیرت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں اس قدر یقیناً جانتا ہوں کہ ایسا ہونا اذنِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض محققین نے اس قسم کے واقعات کو نظر یا سماع کا دھوکا قرار دیا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کے کئی لوگ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ایسی رپورٹوں کو حسنِ ظنّی کی نظر سے دیکھا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے تجربات ہپناٹزم یعنی علم توجہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک معروف اور مسلّم علم ہے اور قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے جسے بعض لوگ غلطی سے سِحر کا نام بھی دے دیتے ہیں۔ مگر اس علم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ وہ علم ہے جس میں ایک مشّاق انسان خواہ وہ کسی مذہب کا ہو اپنی توجہ کے زور سے بعض دوسرے لوگوں کے دماغ یا حواس پر ایک وقتی اثر پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس صورت میں ایک معمول کو بعض غیر حقیقی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یا بعض غیر حقیقی آوازیں حقیقت کے رنگ میں سنائی دے جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات اس کا اثر ایک سے زیادہ انسانوں تک بلکہ ایک انبوہ تک بھی وسیع ہو جاتا ہے اور ایک معتدبہ جماعت اس سے متاثر ہو جاتی ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے کہا اس علم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ایک غیر مسلم انسان حتیٰ کہ ایک دہریہ تک بھی مشق کے ذریعہ یہ ملکہ پیدا کرسکتا ہے اور خاکسار راقم الحروف نے ایسے کئی نظارے دیکھے ہیں۔ بلکہ اس علم میں کافی مشق کے ذریعہ بعض اوقات ایک غیر جاندار چیز پر بھی اثر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً بعض اوقات ایک جلتا ہوا لیمپ مدھم کیا جاسکتا ہے۔ یا بعض اوقات ایک بند زنجیر کو کھولا جاسکتا ہے۔ یا ایک لکڑی یا لوہے کی میز سے آواز اٹھائی جاسکتی ہے اور بعض لوگ اس علم کو بعض بیماریوں کے علاج میں بھی استعمال کرتے ہیں وغیرہ ذالک۔ اور یہ ایک ایسی معروف اور تجربہ شدہ بات ہے جس پر کوئی شاہد لانے کی ضرورت نہیں۔

انسانی روح اور حیوانی روح میں فرق

ضمناً یہ بات بھی بیان کر دینی نامناسب نہ ہو گی کہ انسانی روح اور حیوانی روح میں بھاری فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق یہ ہے کہ انسانی روح جسم سے الگ ہو کر بھی زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر حیوانی روح کو یہ صلاحیت حاصل نہیں۔ بلکہ جب کوئی جانور مرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی روح بھی مر جاتی ہے۔ اس لئے اکثر محققین حیوانی روح کو روح کا نام ہی نہیں دیتے بلکہ اسے صرف جان یا زندگی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کا لفظ صرف انسانی روح پر بولا جاتا ہے۔ اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن مجید نے بار بار صراحت کی ہے انسان ابدی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو اسے کچھ اس دنیا میں ملتی ہے اور اس کا ایک بہت لمبا حصہ مرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں ملے گا تا کہ وہ آخرت میں اپنے نیک و بد اعمال کی جزا یا سزا پا سکے۔ مگر حیوانوں کی پیدائش میں یہ غرض مدنظر نہیں بلکہ وہ صرف انسان کی خاطر سے عارضی زندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے انسان کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ:

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ (التّین:7-5)

یعنی ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں اور بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اسے اسفل ترین گڑھے میں گرا دیتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو سچے ایمان پر قائم ہوتے اور عمل صالح بجالاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اجر ہمیشہ رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس مختصر سے نوٹ میں فاروقی صاحب کے سارے سوالوں کا اصولی جواب آجاتا ہے۔ جس کے بعد اگر وہ پسند کریں تو انہی لائنوں پر مزید غور کر کے اپنے معلومات میں کافی اضافہ کر سکتے ہیں۔

وَلَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡنَا اللّٰہُ الۡعَلِیۡمُ۔ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

(محررہ 30 اگست 1959ء)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸/ ستمبر 1959ء)

☆...☆...☆

تربیتِ اولاد

(سلطان نصیر احمد)

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

(الفرقان:75)

اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔

عصر حاضر میں ،مغرب نے ایسی نسل تیار کی ہے جو اس بات کی ہم خیال ہے کہ ،مذہب کی تعلیمات، سماج کی روایات اور انسانی طبیعت آپس میں متصادم ہیں اور معاشرے کی قید اور روایات کے وجود کا کوئی جواز نہیں ہے نیز خوشی کے لیے ضروری ہے کہ انسان خاندانی اور عائلی بندھنوں سے آزاد ہو جائے۔ بالآخر یورپ اور امریکہ کی تمام اقوام میں معاشرتی شیرازہ ان افکاروخیالات کی ترویج پاتے ہی بکھر گیا اور عائلی نظام درہم برہم ہوگیا۔

موجودہ دور میں جو کشمکش قوموں، ملکوں اور مذاہب میں جاری ہے، اس میں یہ نظریات وخیالات کارفرما ہیں جو اہل مغرب نے دنیا کو دیئے اور جس دلدل میں وہ خود جاگرے ہیں۔آج کا نام نہاد ترقی پسند معاشرہ اسی جانب رواں دواں ہے

اسلام جو دین فطرت ہے،انسان کی فطرت اور شریعت کے تقاضوں کوملحوظ رکھتے ہوئے احکامات لاگو کرتا ہے جبکہ اسلام کی عائد کردہ تمام قیود اور بندشیں معاشرے کے مفاد میں ہیں۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ،الجمعۃ فی القری والمدن)یعنی تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اس سے اسکی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔اس حدیث کے مطابق معاشرے کا ہرفرد چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اپنے اپنے دائرہ اختیار میں سب راعی (نگہبان) ہیں اور انکی ذمے داری ہے کہ بگاڑ کی تمام صورتوں پر نظر رکھیں اور ابتری و انتشار کے اس دور میں ہر جگہ مغربی تہذیب کی چالوں سے نہ صرف خود بلکہ معاشرے کو محفوظ کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔دور حاضر کی مغربی طرز زندگی اور مصنوعی چمک دمک نے ان ذمہ داریوں کو مزید بڑھا دیا ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ ذہنوں کو بدلنے میں مصروف ہیں۔آزادی کے مغربی تصور کے تحت ذرائع ابلاغ نے فسق و فجور کی خوب اشاعت کی اور پوری دنیا کے ممالک کو اپنا ہدف بنا کر اس کے اثرات کو گھر گھر پہنچا دیا۔ ان ذرائع ابلاغ کے برے اثرات عیاں ہیں۔جھوٹ اور مکر وفریب کی اشاعت کا کام تیزی سے جاری ہے۔ تربیت کا جو نظام اسلام دیتا ہے وہ انسانی طرز عمل پر اثر انداز ہونے والے بہترین عوامل میں سے ہے۔ ہر انسان کا بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو والدین کے پاس امانت ہوتا ہے۔ بچہ کا دل و دماغ سادہ ہوتا ہے۔ اس کے والدین، معلم اور معاشرہ جس طرح چاہتے ہیں، اسکے خیالات و افکار بناتے ہیں۔ اگر خیر کی طرف راہنمائی کریں تو وہ اسکا عادی بنتا ہے اور اگر اس کو جانوروں کی طرح چھوڑ دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ خود تباہ ہوگا بلکہ اسکی تباہی کا وبال اسکے سرپرستوں پر بھی ہوگا۔ تربیت کے اس مرحلے میں ماں اولاد کے قریب ترین ہوتی ہے۔معاشرے کی تباہی،بگاڑ اور تعمیر و ترقی میں وہ اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔

ماں باپ اپنی اولاد کو توحید پرست بنائیں

اس بارے میں قرآن کریم میں حضرت ابراھیمؑ کا ایک قول درج ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ

(ابراہیم:36)

ترجمہ:اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے ربّ!اس شہر کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ وَیُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ

(مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطر)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔یعنی قریبی ماحول سے بچے کا ذہن متاثر ہوتا ہے جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔کیا تمہیں ان میں کوئی کان کٹا نظر آتا ہے ؟یعنی بعد میں لوگ اس کا کان کاٹتے ہیں اور اسے عیب دار بنا دیتے ہیں۔

بچوں کی عمدہ تربیت کرنا، والدین پر فرض ہے اور یہ بچوں کا حق ہے

آپ نے کبھی ایسے درخت دیکھے ہوں گے جو سڑک کے کسی موڑ پر یا چوراہے کے قریب اس طرح اُگے ہوتے ہیں کہ بجائے فائدہ کے ٹریفک اور راہ گیروں کے لئے مسائل کا باعث بن رہے ہوتے ہیں یا ایسے گھنے اور سایہ دار درخت جو کسی ایسی جگہ پر ہوں جہاں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو۔ یا بعض اوقات گھروں کے صحن میں یا دیوار کے قریب لگے ہوئے ایسے درخت جو دیوار کے گرنے کا باعث بن رہے ہوں اور گھر کا مالک ان کو کاٹ پھینکنے کے متعلق سوچ رہا ہوتا ہے۔ یا کبھی ایسا مشاہدہ ہوا ہو کہ بڑی محبتوں سے آپ گلاب کے پودے لیکر آئیں اور محنت اور محبت کے ساتھ ان کی آبیاری کریں اور جب اس پر خوبصورت رنگوں کے پھول کھلیں تو پتہ چلے کہ رنگ تو بہت اچھا ہے لیکن اس میں تو خوشبو ہی نہیں۔ خوشبو والے گلاب تو اور ہوتے ہیں۔ اور اس وقت یعنی جب وقت تھا کہ پتہ رکھا جاتا اس وقت اس کا دھیان ہی نہیں رکھا، علم ہی نہیں ہوا۔ جیسے اس درخت لگانے والے کو علم ہی نہ تھا یا اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اب تو یہ بے شک ایک ننھا سا بیج ہے، چھوٹی سی کونپل ہے لیکن جب یہ بڑا ہوگا تو کس طرح راستوں کی رکاوٹ بن جائے گا یا گھر کی دیوار کو گرانے کا باعث بن جائے گا۔ اُسے گلاب کی خوبصورت رنگت تو میسر آگئی لیکن اس کی خوشبو سے تو محروم رہا۔ کیونکہ اس نے پہلے یہ خیال ہی نہیں کیا اب اس کو اپنی محنت پر حسرت ہوگی۔ چاہے تو وہ ان پودوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے، چاہے تو رہنے دے وہ اسکے کسی کام کے نہیں۔

یہ ننھے ننھے بچے جب ماں باپ کی گود میں آتے ہیں تو یہ بھی ان پودوں اور گلابوں کی مانند ہوتے ہیں۔تب وقت ہوتا ہے کہ آپ جو چاہیں ان کو بنالیں۔ اب یہ والدین کا فرض ہے کہ ان کو خوشبو دار گلاب بنائیں یا بغیر خوشبو کے رہنے دیں۔کوئی پھلدار درخت بنائیں یا کانٹے دار جھاڑی، کسی رستے کی روک بننے والا درخت بنائیں یا کوئی شجر سایہ دار کہ جس کے نیچے کوئی تھکا ہارا دم لینے کے لئے آرام کرے اور پھر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو جائے۔

چنانچہ بچے کے کان میں اس کی پیدائش کے وقت ہی اذان دلوا کر اس اہم فرض کی یاد دہانی کروائی جاتی ہے کہ سنو! بچے کی تربیت کا وقت شروع ہو گیا ہے۔احادیث مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰی اَبِیْهِ

(مشکاۃ المصابیح کتاب النکاح باب الولی فی النکاح واستئذان المراۃ)

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اچھی تربیت کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ اگر وہ بچہ بالغ ہو جاتا ہے اور وہ اس کی شادی نہیں کرتا اور بچہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

عَنْ اَنَسِ بِنْ مَالِكٍؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ

(ابن ماجہ کتاب الادب باب بر الوالد)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنے بچوں سے عزت کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ، حضرت امّاں جانؓ کا طریق تربیت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ: ’’بچوں کی تربیت کا پہلا اصول یہ تھا کہ بچے پر مکمل اعتماد ظاہر کر کے ماں باپ کے اعتبار کا بھرم رکھنا، جھوٹ سے نفرت، غیرت دکھانا اور روپے پیسے اور دنیاوی چیزوں کی پرواہ نہ کرنا آپ کا پہلا سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی یہی فرماتی رہیں کہ بچے میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے۔ پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے تو کوئی حرج نہیں۔جس وقت بھی روکا جائے گا رُک جائے گا۔ اگر ایک بار تم نے کہنا ماننے کی عادت ڈال دی تو پھر ہمیشہ اصلاح کی امید رہے گی۔ ہمیں بھی یہی سکھا رکھا تھا۔ ہم لوگ یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ماں باپ کی غیر موجودگی میں، ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں۔حضرت امّاں جان ہمیشہ یہ فرمایا کرتیں کہ میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ یہی اعتبار ہمیں ہمیشہ جھوٹ سے بچاتا تھا بلکہ اس سے اور نفرت آتی تھی۔ مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔‘‘

(سیرت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا تصنیف از صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ، شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان، صفحہ نمبر: 8)

اولاد کو نماز کا عادی بنانا

اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنایا جائے جبکہ نماز کا ترجمہ بچپن سے ہی سکھایا جائے نیز اولاد کو نماز کا عادی بنانے کے لئے کوشش کے ساتھ ساتھ

یہ دعا کثرت سے پڑھیں:

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ (ابراہیم:41)

اے میرے ربّ! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسلوں کو بھی۔ اے ہمارے ربّ! اور میری دعا قبول کر۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب متی یومر الغلام بالصلوۃ)

حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔ پھر دس سال کی عمر تک انہیں اس پر سختی سے کاربند کرو نیز ان کے بستر الگ الگ بچھاؤ۔

ایمان اور عمل صالح ہی دراصل خدا کے حضور قبولیت کا باعث ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَہُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ (سباء:83)

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارے نزدیک مرتبۂ قرب تک لے آئیں سوائے اس کے جو ایمان لایا اور نیک اعمال بجا لایا پس یہی وہ لوگ ہیں جن کو اُن کے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے، دُہری جزا دی جائے گی اور وہ بالاخانوں میں امن کے ساتھ رہنے والے ہیں۔

ہدایت اور تربیتِ حقیقی خدا کا فعل ہے

بچوں کی عمدہ تربیت اور گناہوں سے نجات دراصل خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ بچوں کی تربیت محبت و پیار اور حسن سلوک کے ساتھ کرنی چاہیے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا

(مسند احمد، کتاب مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بچوں سے رحم کا سلوک نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے حق کا پاس نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’ہدایت اور تربیتِ حقیقی خدا کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔ نیز فرمایا:

ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آدابِ تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر اپنا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 309)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دعا سکھائی ہے کہ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ سو اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ، اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 457-456)

اولاد کو خدا تعالیٰ کے فرماں بردار بنانے کی سعی اور فکر کریں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرماں بردار بنانے کی سعی اور فکر کریں۔ نہ کبھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں، میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بےباک ہوتے جاتے ہیں۔ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں مگر نہ اس لیے کہ وہ خادمِ دین ہو بلکہ اس لئے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی امید اس سے کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے: رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہی ہو گا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دعا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 563-560)

ماں باپ کی اپنی تربیت اور ان کے اخلاق کا اثر، اولاد پر پڑتا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’پھر ایک عام بات ہے جس کی طرف والدین کو توجہ دینی ہو گی۔ وہ ہے اپنے بچوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں، اُنہیں متقی بنائیں اور یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک والدین خود متقی نہ ہوں یا متقی بننے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ جب تک عمل نہیں کریں گے مُنہ کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر بچہ دیکھ رہا ہے کہ میرے ماں باپ اپنے ہمسائیوں کے حقوق ادا نہیں کر رہے، اپنے بہن بھائیوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر میاں بیوی میں، ماں باپ میں ناچاقی اور جھگڑے شروع ہو رہے ہیں تو پھر بچوں کی تربیت اور ان میں تقویٰ پیدا کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے بچوں کی تربیت کی خاطر ہمیں بھی اپنی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔‘‘

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 150)

بچوں کو بلا وجہ اور غیر مناسب اوقات میں گھروں سے باہر نہ جانے دیں

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات کا اندھیرا شروع ہونے پر یا رات کے چھا جانے پر اپنے بچوں کو (گھر میں) روک رکھو کیونکہ شیاطین اسی وقت پھیلتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس و جنودہ)

حضرت امّاں جانؓ (حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ) کا طریقِ تربیت

’’حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ جن کی تربیت (حضرت امّاں جان کی گود میں ہوئی فرماتے تھے کہ حضرت امّاں جان کا یہ اصول تھا کہ بچوں کو مغرب کے بعد گھر سے باہر نہ رہنے دیتیں۔ اس اصول کی سختی سے پابندی فرماتیں۔ یہ حکم تھا کہ مغرب کی نماز پڑھ کر سیدھے گھر آ ؤ پھر باہر نہیں جانا سوائے عشاء کی نماز کے لیے۔ اور بڑے ہونے تک یہی پابندی رہتی۔۔۔۔۔ حضرت امّاں جان تربیت کرنے کے لیے اس بات کا بھی خیال رکھتیں کہ گھر کے بچے اور دوسری یتیم لڑکیاں جو آپ کے گھر پل رہی تھیں، اچھی عادتوں والے بچوں کے ساتھ ہی کھیلیں تا کہ ان میں کسی دوسرے گندے بچے کی بری عادت نہ پڑے اور بچے بری صحبت سے دور رہیں۔۔۔۔۔ آپ جب بھی کسی بچے کی کوئی بری بات دیکھتیں تو اس طرح نصیحت فرماتیں کہ اس کی اصلاح بھی ہو جائے اور خواہ مخواہ دوسروں کے سامنے شرمندگی بھی نہ اُٹھانی پڑے۔‘‘

(سیرت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا، از صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ، شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان، صفحہ نمبر 8)

بیوی بچوں کی محبت میں اعتدال ہو اور اولاد کی خواہش اور اس کی محبت خدا سے تعلق پر اثر انداز نہ ہو۔ بچپن سے ہی بچوں کو دینی علوم سکھانے چاہئیں تا کہ ان میں دین اور نیکیوں کی طرف رغبت پیدا ہو اور بچپن کی عمر اس کے لئے بہترین زمانہ ہے۔

اولاد بڑوں کا ادب اور ان کا کہا ماننے والی ہو

’’حضرت امّاں جان کے دل میں استاد کی بہت عزت تھی اور آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ بچوں کے دل میں بھی استاد کا احترام ڈالا جائے اور بچے اپنے استاد کی عزت کریں۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے استاد تھے۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت امّاں جان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میاں صاحب جو اس وقت ابھی بہت چھوٹے تھے ایک ربڑ کا سانپ لیے ہوئے آگئے اور ایک دم سے اسے ان کے سامنے چھوڑ دیا۔ اس طرح اچانک ایک سانپ دیکھ کر وہ خوف سے کانپنے لگیں۔ حضرت امّاں جان نے ان کی حالت دیکھ کر انہیں تسلّی دی کہ ’’بہو! یہ تو ربڑ کا سانپ ہے تم ایسے ہی ڈر رہی ہو۔‘‘ اور ساتھ ہی اپنے بیٹے سے فرمایا ’’میاں محمود! یہ تمہارے استاد کی بیوی ہیں۔ یہ تم نے کیا کیا؟‘‘ وہ شرمندہ ہو گئے اور معافی مانگ کر بولے ’’امّاں جان مجھ سے بھول ہوگئی۔‘‘

(سیرت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا، از صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ، شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان، صفحہ نمبر 8)

بچوں کو غیرنصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے دینا چاہیے نیز والدین بچوں میں دینی کاموں کی عادت پیدا کریں۔قرآن کریم کی محبت ان کے دل میں پیدا کریں اور شروع عمر سے ہی بچے کو ناظرہ قرآن کریم اور ترجمہ سکھا دینا چاہیے۔

بچوں کو جفاکشی، مشقت اور ظاہری حالت کی درستی کی عادت ڈالیں۔انسان کی ظاہری حالت کا اثر، اس کے اخلاق اور اندرونی حالت پر پڑتا ہے۔

بچوں کو جمعہ پر لائیں،دروس اور مختلف تربیتی کلاسز میں بچوں کو ضرور شامل کریں جبکہ صحبت صالحین بھی مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ان سب باتوں کے حصول کے لئے ،ایم ۔ٹی ۔اے سب سے بہترین ذریعہ ہے۔بچوں کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات و خطابات، کلاسز اور دیگر پروگرام لازمی سنائیں اور بعد میں بچوں سے وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ بھی لیتے رہیں۔بچپن سے سیکھی ہوئی چیزوں کا اثر دل پر پڑتا ہے۔اس لئے بچپن سے ہی انہیں ایم۔ٹی۔اے دیکھنے کا عادی بنا دیں، تا کہ وہ خلیفہ وقت کی محبت و الفت اور الٰہی تربیت سے بچپن میں ہی رنگین ہو جائیں اور ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔

ذیلی تنظیمیں بچوں کی تربیت کے لئے نگرانی کا فریضہ ادا کریں۔

بچوں کا ہر روز کا، چوبیس گھنٹوں کا پروگرام متعین کریں اور اس پر عملدر آمد کروائیں نیز بچوں میں وقت کی پابندی کی عادت ڈالیں۔

بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنا قتل اولاد ہے۔بچوں کو تعلیم دلوائیں،یہ بچوں کا والدین پر حق ہے۔

بچوں میں صبر وشکر کی عادت پیدا کریں اور انہیں قناعت شعار بنائیں۔

اولاد کی صحت ،غذا اور ورزش کی طرف توجہ دینی چاہیے،بچوں کو گوشت کم اور سبزیوں کا استعمال زیادہ کرانا چاہیے،ان کی اچھی صحت کے لئے ضروری ہے کہ انہیں دودھ پینے کے لئے دیں۔انسان کی خوراک کا اثر اس کے اخلاق پر پڑتا ہے جبکہ اچھی صحت دینی اور دنیاوی کاموں کے لئے نہایت ضروری ہے۔

بچوں میں گناہ کے متعلق آگاہی پیدا کریں اور اس سے نفرت پیدا کریں۔

والدین کو اپنے بچے کی غلطی ماننی چاہیے اور سچ کو اپنا شعار بنائیں۔

بچوں کو عمدہ اخلاق و آداب سکھائیں، بچوں کو خلافت اور نظام جماعت کا احترام سکھائیں،تربیت اولاد کے لئے، بحیثیت گھر کے سربراہ، مرد کی بہت اہم ذمہ داری ہے۔

سگریٹ نوشی اور دیگر نشہ آور چیزوں سے اپنی اولاد کو بچائیں

پس آج کے دور میں، والدین کے لیے اپنی اولاد، خاندان، نظام، اصول و ضوابط سب کو برے اثرات سے بچانا اور تبادل خیر کا پیغام اپنی نسلوں کو دینا انتہائی ضروری ہے۔گھر اور بچے ہی معاشرے کی اکائی ہیں، اگر یہیں گرفت مضبوط ہوجائے تو آگے معاشرہ بھی پابند ہوجاتا ہے اور اقدار کی حفاظت ہوسکتی ہے۔لہٰذا دینی اصولوں سے آگاہی اور مذہبی افکار کی روشنی میں بچوں کی تربیت انتہائی ضروری ہے۔دشمنان اسلام اس فن سے بہ خوبی آشنا ہیں کہ آوارہ ذہن، سیکولر اور مادہ پرستی کی خوراکیں کس طرح خوش رنگ بنا کر پیش کریں۔چنانچہ ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ،موبائل برائیوں کو پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔

اس حوالے سے والدین کی جانب سے بچوں کی تعلیم و تربیت انتہائی ضروری ہے۔اور انہیں خود بھی جدید ایجادات سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیے تا کہ وہ بچوں کی احسن رنگ میں نگرانی کرسکیں اور بچوں کو ان کے مفید پہلوؤں سے آگاہ کرسکیں۔

ایک مشہور دانشور کا کہنا ہے:

’’یتیم وہ بچہ نہیں ہے جسے اسکے والدین دنیا میں تنہا چھوڑ گئے ہوں، اصل یتیم تو وہ ہیں جن کی ماؤں کو تربیتِ اولاد سے دلچسپی نہیں ہے اور باپ کے پاس انکو دینے کے لیے وقت نہیں۔‘‘

آج یہ بات کس قدر درست نظر آتی ہے۔بچوں کو برائیوں کے سیلاب سے بچانے کے لیے موجودہ دور میں والدین کو ’’خصوصاً‘‘ اپنے اوقات کار، گھر کے نظام، بچوں کی دلچسپی پر توجہ دینی ہوگی اور اس ثقافتی یلغار کا مقابلہ اسلامی رنگ کو اپنا کر ہی کیا جا سکے گا۔رنگ اسی کپڑے پر اچھا چڑھتا ہے جس کا اپنا کوئی رنگ نہ ہو،اپنی اولاد اور گھر کے افراد کا، اور رنگوں سے نکال کر صِبغَۃَ اللّٰہ میں رنگنا ہی اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوگا۔انشاءاللہ۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطاء فرمائے۔(آمین)

☆...☆...☆

آج کی دعا

اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ

(سورۃ یوسف آیت:87)

ترجمہ:’’میں تو اپنے رنج و الم کی صرف اللہ کے حضور فریاد کرتا ہوں‘‘۔

یہ حضرت یعقوبؑ کی غم و پریشانی سے نجات اور مدد باری تعالیٰ کے حصول کی دعا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے محض حسد کی بناء پر انہیں انکے والد حضرت یعقوبؑ سے بچپن میں ہی جدا کر دیا تھا۔پھر جب قحط کے حالات میں وہ بھائی مصر سے غلہ لینے گئے تو حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بھائی کو خدا نے ایک تدبیر کرکے حضرت یوسفؑ سے ملا دیا۔جب وہ بھائی حضرت یعقوبؑ کے پاس لوٹ کر گئے اور بتایا کہ کس طرح انکا چھوٹا بیٹا بھی مصر میں ہی رہ گیا ہے تو حضرت یعقوبؑ کو شدید تکلیف پہنچی۔پہلے ہی حضرت یوسفؑ کی جدائی کا بڑا دکھ تھا۔دوسرے بیٹے کی جدائی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے زخم پھر تازہ ہو گئے چنانچہ اس موقع پر انہوں نے خدا کے حضور مندرجہ بالا دعا کی اور انہیں یقین تھا کہ خدا انہیں حضرت یوسفؑ سے ملا دے گا۔پھر خدا نے انکی دعا قبول فرمائی اور انہیں انکے دونوں بیٹوں سے ملا دیا جن میں حضرت یوسفؑ بھی شامل تھے۔

مرسلہ:قدسیہ محمود سردار

بقیہ: فرمانِ خلیفۂ وقت......از صفحہ 1

یقیناً فتح ہماری ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری جاری رکھی۔اسی میں مگن رہے اور دعاؤں میں شدت پیدا کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے آپ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ کہیں ہماری کسی کمزوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وعدے ٹل نہ جائیں۔پس جہاں اللہ تعالیٰ کے پیارے اس یقین پر قائم ہوتے ہیں اور اس سے پُر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ضرور بالضرور پورے ہوں گے وہاں ان کو یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ہماری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوجائے جو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو ٹالنے کا باعث بن جائے۔پس یہی رہنما ہے اور یہی اصل ہے جس کو حقیقی متبعین پکڑتے ہیں اور پکڑنا چاہیے۔وہ نہ ہی اپنی کوششوں میں کمی کرتے ہیں، نہ ہی اپنی دعاؤں میں کمی کرتے ہیں، نہ ہی اپنے اعمال اور اپنی قربانیوں پر انحصار کرتے ہیں بلکہ ہروقت اللہ تعالیٰ کی خشیت دل میں قائم رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔اور کبھی یہ خیال دل میں نہیں لاتے کہ جو کچھ انعامات ہمیں مل رہے ہیں یہ ہماری کسی کوشش کا نتیجہ ہیں۔یہی سبق ہمیں ان آیات میں ملتا ہے جن کی مَیں نے تلاوت کی ہے۔

(خطبہ جمعہ 17 ستمبر 2010ء)

اجتماعیت کا دائرہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وساطت سے اس زمانے میں ہم نے ایک زندگی پائی۔وہ زندگی جو ہمیشہ سے تھی مگر وہ مردہ تھے جن پر وہ اثر نہیں کر رہی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے ہم نے اسے زندہ محسوس کیا اور اس زندگی سے ہمارے محبت کے رشتے زندہ ہو گئے۔ہمارے دل دوبارہ دھڑکنے لگے۔ہم میں اجتماعیت کا احساس پیدا ہوا۔یہ جب تک زندہ رہے گا ہم دنیا کو امت واحدہ بناتے رہیں گے۔یہ طاقت ہمیں خدا سے نصیب ہوئی ہے کوئی دنیا کی طاقت یہ طاقت ہم سے چھین نہیں سکتی اور اس کی وجہ وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔اس کو سمجھیں، اس پر قائم ہو جائیں تو آپ بڑی قوت کے ساتھ نئے آنے والوں کو اپنے ساتھ کھینچیں گے اور یہ اجتماعیت کا دائرہ بڑھتا چلا جائے گا۔اللہ کرے کہ ہمیں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی ان نصیحتوں کو سمجھنے اور حرزِ جان بنانے کی، یعنی جان میں سب سے پیارا وجود سمجھنے کی طاقت عطا فرمائے۔‘‘

(خطبہ جمعہ ۱۰ جون ۱۹۹۲ء، الفضل ۱۲ اگست ۱۹۹۲ء)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

حاصلِ مطالعہ

مرسلہ عطاء المجیب راشد صاحب

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں جس میں خاکسار بھی موجود تھا۔ بیان فرمایا کہ ایک دن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی نوٹ بُک دیکھوں۔ کہ اس میں کس قسم کی باتیں نوٹ کی گئی ہیں۔ چنانچہ میں نے باوجود حضرت اقدس علیہ السلام کے احترام کے حضور سے اس بات کی درخواست کر دی کہ میں حضور کی نوٹ بک دیکھنا چاہتا ہوں۔حضور نے بلا تامل اپنی نوٹ بُک بھجوادی۔ جب میں نے اسے ملاحظہ کیا تو اس کے پہلے صفحہ پر

اِھۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۙ۵ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ

کی دعا لکھ کر اس کے نیچے حضور نے یہ نوٹ دیا ہوا تھا کہ

’’اے میرے خدا تو مجھ پر راضی ہو جا اور راضی ہونے کے بعد پھر کبھی بھی مجھ پر ناراض نہ ہونا‘‘

میں نے جب یہ نوٹ پڑھا تو مجھے فائدہ ہوا اور میں دعائے فاتحہ کے پڑھتے وقت ہمیشہ ہی اس نکتہ کو ملحوظ رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور راضی ہو کر پھر کبھی بھی ناراض نہ ہو۔

(حیات قدسی جلد سوم صفحہ 99 سن اشاعت مئی 2003 قادیان)

قادیان کے ساتھ دارالامان لگانے کی وجہ

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی رضی اللہ عنہ تذکرۃ المہدی میں تحریر فرماتے ہیں:

’’دارالامان لکھنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ فتح گڑھ جو بٹالہ کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں ایک قاضی صاحب رہتے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ کو سخت الفاظ میں گستاخانہ ایک کارڈ لکھا۔ چونکہ ان دنوں میں جواب لکھا کرتا تھا وہ کارڈ بھی مجھے جواب دینے کے لئے دیا اور فرمایا ’’اس کا جواب نرم الفاظ میں لکھو‘‘ جب میں نے جواب لکھ دیا تو کاتب کے نام کے ساتھ یہ پتہ لکھا تھا کہ ’’از مقام فتح گڑھ دارالاماں‘‘ مجھے اس مقام پر خیال ہوا کہ فتح گڑھ کا قافیہ بھی نہیں ملتا اور فتح گڑھ کو دارالاماں ہونے کا فخر کہاں سے ملا۔ دارالامان تو قادیان کو ہونا چاہیئے اور ہے بھی۔ میں نے لکھا ’’راقم خادم مسیح موعود حسب الحکم حضرت مسیح موعود علیہ السلام از قادیان دارالامان‘‘ پھر میرے دِل میں خیال آیا کہ اپنی طرف سے لکھنا ٹھیک نہیں۔سو میں حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔فرمایا کیسے آئے؟ اس وقت اکیلے تشریف رکھتے تھے اور صرف ٹہلتے تھے۔ میں نے یہ سارا حال بیان کیا کہ حضور دارالامان قادیان لکھنا چاہیئے یا نہیں فرمایا ’’ضرور لکھ دو۔ یہ خدا کی طرف سے دارالامان ہے۔ اب ضرور ہر خط پر لکھ دیا کرو۔‘‘

(تذکرۃ المہدی جلد 1۔صفحہ 1 ۔ حاشیہ)

اکلوتا حربہ اور اصل ہتھیار

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود فرماتے ہیں:

خوب یاد رکھو!۔ دعا وہ ہتھیار ہے جو اس زمانے کو فتح کرنے کے لئے مجھے آسمان سے دیا گیا۔اے میرے دوستوں کی جماعت! تم صرف اس حربے سے غالب آ سکتے ہو۔

(تذکرۃ الشہادتین۔صفحہ 180)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خلافت سے وابستہ رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے اور پریشانیوں سے نجات پانے اور امن کی حالت کی طرف آنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دعاؤں اور عبادتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پس یہی ہمارے اصل ہتھیار ہیں جن پر ہم مکمل اور مستقل انحصار کر سکتے ہیں۔ دعاؤں کے ہتھیاروں کو چھوڑ کر ہم چھوٹے اور عارضی ہتھیاروں کو دیکھیں گے تو ہمیں کامیابی نہیں مل سکتی۔ نہ چھوٹے ہتھیاروں سے کسی کو کامیابی ملی ہے۔۔۔ پس ہمیں اپنی دعاؤں میں اور عبادتوں میں پہلے سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کو ابھارنے کی ضرورت ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۔ 30 مئی 2014)

احمدی روح۔غیر مفتوح ناقابلِ تسخیر

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی استقامت کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ پھر اس زمین پر حضرت صاحبزادہ نعمت اللہ صاحب ۔ آپ (یعنی حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب) کی پیروی میں آئے۔ وہ جانتے تھے کہ دعویٰ ایمان کے نتیجہ میں انسان کو کیا کیا مصیبتیں سہنی پڑتی ہیں اور مصائب کے کن کن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی یاد ان کے ذہن اور دل میں تازہ تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے وہی نمونہ دکھایا جو اس سے پہلے ایک مردِ مجاہد نے دکھایا اور پروا نہیں کی۔ قید کی حالت میں انہوں نے ایک خط لکھا جو کسی ذریعہ سے ایک احمدی دوست تک پہنچ گیا۔

وہ لکھتے ہیں:

مجھ سے خدا کا عجیب سلوک ہے کہ روزن بند ہے اور دن کے وقت بھی رات کی تاریکی ہے مگر جوں جوں اندھیرا بڑھتا ہے۔ میرے دل کو روشن کرتا چلا جاتا ہے اور ایک عجیب نور کی حالت میں میرا وقت بسر ہوتا ہے۔‘‘

ان کو اس قید خانے سے نکال کر حضرت صاحبزادہ عبداللطیف کی طرح گلیوں میں پھرایا گیا۔ اور طعن و تشنیع کی گئی اور مذاق اڑایا گیا۔ تو اس وقت ’’ڈیلی میل‘‘ کے نمائندہ نے اس ذکر کو زندہ رکھنے کے لئے ایک ایسا بیان دیا جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ باوجود اس کے کہ اس شخص پر انتہائی ذلت پھینکی جارہی تھی وہ کابل کی گلیوں میں پا بجولاں پھرتا ہوا ایک آہنی عزم کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ اس کی روح غیر مفتوح اور ناقابلِ تسخیر تھی۔ کہ اس کا نظارہ کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ہمارے سامنے اس پر پتھر برسے لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ ہاں پتھراؤ سے پہلے صرف یہ خواہش تھی کہ

’’مجھے دو نفل پڑھنے کی اجازت دے دی جائے‘‘

(تشحیذ الاذہان ستمبر 1985)

طلوع وغروب آفتاب

22 ستمبر 2020ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:53	18:17
مدینہ منورہ	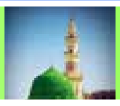	04:52	18:18
قادیان	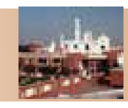	04:55	18:25
ربوہ		04:35	18:05
اسلام آباد ٹلفورڈ	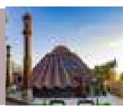	05:20	19:01